امام ترمذیؒ کی حدیث کے میدان میں خدمات اور اس کی مخصوص اصطلاحات کا تحقیقی مطالعہ

A Research Study on the Contributions of Imam Tirmizi R.A in the Field of Hadith and his Special Terminologies

Fariza Danish*
Bashir Ahmed Rind**
Hameedullah Bhutto***

Abstract
Imam Tirmizi R.A (824.892 AD) is one of the scholars of Siha-i- Sita (Six authentic books of Hadith) who is well known as Muhaddith in the world of knowledge. He has not only collected Ahadith of Holy Prophet (Peace be upon him) with great caution and conscious but also gave benefit to public from the treasure of knowledge of Ahadith. He has written many books on different subjects but the great reputation he got from "Aljami'a" cannot be challenged by his other writings. During the compilation of Ahadith he also used various terminologies which are not common in other Muhaddthin and his terminologies have unique value which brought innovation in the sciences and principles of hadith. In this article the life of Imam Tirmizi, his contributions in the field of Hadith and his particular terminologies are critically analyzed. The material for this article is taken from the biography of the narrators of Ahadith,(Asmau al Rijal) sharooh –e- Jami'a Tirmizi and the articles written on Imam Tirmazi, afterwards it is analyzed and evaluated from historical perspective in the light of research methodology.
Keywords: Jami'a, Terminology, Ahadith, Tirmizi, Sunan,Sihah Sitta.

تعارف

امام ترمذیؒ صحاحِ ستہؒ کے اُن اکابر ائمہؒ میں سے ہیں جنھیں علمی دنیا میں ایک بلند پایہ محدث کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ آپؒ نے نہایت احتیاط و بیدار مغزی کے ساتھ نہ صرف احادیثِ رسولؐ کو جمع کیا بلکہ اُن میں مخفی خزائن و معارف سے بھی عوام الناس کو بہرہ ور کرنے کو اپنا ہدفِ تالیف بنایا۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر بیش بہا کتب تصنیف کیں، مگر جو مقام و مرتبہ آپؒ کی تصنیف " اَلجامع " کو ملا وہ آپ کی دیگر تصانیف کو نہ مل سکا۔ آپؒ نے احادیثِ احکام کو ترتیب دینے کے دوران اپنی جامع میں کچھ مختلف نوعیت کی اصطلاحات استعمال کی ہیں جو بقیہ محدثین کے نزدیک مروج نہیں ہیں اور ان کی یہ اصطلاحات ایک منفرد حیثیت رکھتی ہیں جو علوم الحدیث اور اصولِ حدیث میں ایک تجدیدی سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس آرٹیکل میں امام ترمذیؒ کی حیات اور اس کی حدیث کے میدان میں خدمات، اور اس کی منفرد اصطلاحات کا تحقیقی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس آرٹیکل کے لیے مواد اسماء الرجال کی کتب اور شروحِ جامع ترمذی و امام ترمذی پر لکھے ہوئے آرٹیکلس سے لیا گیا ہے اور پھر اس کا تحقیقی اصولوں کی روشنی میں تاریخی و تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔

* Ph.D Research Scholar.Dept: Comparative Religion and Islamic Culture,university of Sindh, Jamshoro
** Associate Professor & Chairman Department of Comparative Religion and Islamic Culture, University of Sindh Jamshoro.
*** University of Sindh, Mirpukhar Campus

امام ترمذیؒ کا نام ونسبت۔

امام ترمذیؒ کی کنیت: ابو عیسیٰ، نام" محمد بن عیسیٰ بن سَورہ بن بن موسیٰ بن ضحاک ہے۔[1]

نسبت: ترمذی، بوغی اور سُلمی ہے۔

آپؒ 209ھ بمطابق 824ء میں شہرِ ترمذ میں پیدا ہوئے، ترمذ آجکل ازبکستان ملک میں ہے۔ ترمذ ایک قدیم شہر ہے جو دریاء جیحون کے ساحل پر واقع ہے۔ آجکل اسے دریاء آمو کہتے ہیں، قدیم دور میں اس کی پرلی طرف کو ماوراء النہر کہا جاتا تھا۔[2] ترمذ سے چھ فرسخ (18 میل) کے فاصلے پر بوغ نامی ایک گاؤں تھا، آپؒ اصلاً اسی گاؤں کے باشندے تھے، اور آپؒ قبیلہ بنو سُلیم سے تعلق رکھتے تھے۔ قبیلہ بنو سُلیم سے تعلق کی وجہ سے آپؒ کو سُلمی اور ترمذ میں پیدائش کی وجہ سے ترمذی اور اصلاً بوغ گاؤں کے باشندے ہونے کی وجہ سے آپؒ کو بوغی کہا جاتا ہے۔ آخر عمر میں آپؒ کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی تھی۔ امام صاحبؒ پیر کی شب ۱۳ رجب ۲۷۹ ہجری، بمطابق 892ء کو اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ جس شہر میں آپؒ کی ولادت ہوئی وہیں آپؒ کی وفات ہوئی، اور وہیں آپ آسودہِ خواب ہیں۔[3]

تحصیل علم

آپؒ نے عام دستور کے مطابق اپنی ابتدائی تعلیم اپنے ہی شہر میں حاصل کی، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مختلف شہروں اور ملکوں کے سیر وسفر کیے۔ موصوفؒ جس دور میں اس کائناتِ ہستی میں تشریف لائے وہ علم وعرفان کی ترقی وعروج کا دور کہلاتا ہے۔ اس وقت عرب وعجم میں بڑے بڑے محدثین اپنے علم وعرفان سے عوام وخواص کو فیضیاب کر رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خراساں، عراق وحرمین شریفین کے سفر کیے، اور وہاں کے علماء وفضلاء سے علمی فیض حاصل کیا۔[4]

آپؒ نے امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابو داؤدؒ، قتیبہؒ بن سعید واسحاقؒ بن راہویہ جیسے بلند پایہ محدثین سے علمِ حدیث حاصل کیا، اسی طرح اُس وقت کے مشہورِ زمانہ فقہاء، جیسے اسحٰق بن موسیٰ انصاریؒ، ابو مصعب زُہریؒ، حسن بن محمد زعفرانیؒ، اور ربیع بن سلیمانؒ، جیسے معروف فقہاء سے مختلف فقہی نظریات کی تعلیم حاصل کی، اور ان میں درک حاصل کیا۔ اس طرح آپؒ نے حدیث اور فقہ کے میدان میں عبور وکمال حاصل کیا۔[5]

فضل وکمال

حافظ یوسف مزیؒ امام ترمذیؒ کے بارے میں کہتے ہیں: امام ترمذی حافظ الحدیث اور ان علماء محدثین میں سے ایک تھے جن کی حدیث کے میدان میں پیروی کی جاتی ہے۔ وہ ایک صاحب تصنیف، پختہ عالم اور بے مثال قوتِ حافظہ کے مالک تھے، ایسا حافظہ کہ لوگ اس کی مثال دیا کرتے تھے۔[6]

تمام اساتذہ موصوفؒ کی بڑی قدر کیا کرتے تھے۔ امام صاحبؒ کے بارے میں اُن کے استاد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

ما انتفعت بک اکثر مما انتفعت بی [7] "تم نے مجھ سے جتنا علمی نفع اُٹھایا، اس سے کہیں زیادہ میں نے تم سے علمی فائدہ حاصل کیا

ہے"اس سند (سرٹیفیکیٹ) کے بعد امام ترمذی رحمۃاللہ علیہ کے لیے اور کسی سند کی ضرورت نہیں رہ جاتی ۔[8] علامہ انور شاہ کشمیری امام بخاری کے اس قول کی تاویل اس طرح کرتے ہیں: اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ امام ترمذی امام بخاری سے بڑے محدث تھے کیونکہ امام ترمذی اگر میدانِ حدیث کے پہاڑ تھے تو امام بخاری آسمانِ حدیث کے سورج تھے، لھذا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شاگرد استاد کی طرف علمی استفادے کے لیے محتاج ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ استاد ایک ذہین شاگرد کی طرف اپنے علم کی اشاعت کے لیے محتاج ہوتا ہے۔ امام ترمذی نے جتنا علمی استفادہ امام بخاری سے کیا اتنا کسی اور سے نہیں کیا اور امام بخاری کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے علم کی اشاعت جو امام ترمذی نے کی وہ کسی اور نے نہیں کی۔[9] اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر اچھا شاگرد ہو تو وہ استاد کو بہت کچھ پڑھنے اور محنت کرنے پر مجبور کرتا ہے، جس کی وجہ سے استاد کے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔

امام صاحب کی تصانیف

امام صاحبؒ نے فنِ حدیث میں جو کتب تصنیف کیں وہ ذیل میں دی جاتی ہیں:

۱۔جامع ترمذی، یا سُنن ترمذی

۲۔الشمائل النبویہ ﷺ

۳۔کتاب العلل

۴۔اسماء الصحابہ

۵۔کتاب الجرح والتعدیل

۶۔کتاب التاریخ

۷۔کتاب الزہد

۸۔کتاب الاسماء والکنٰی

۹۔کتاب التفسیر

۱۰۔رباعیات فی الحدیث

۱۱۔کتاب العلل الصغیر

۱۲۔الکتاب فی آثار المعرفہ[10]

آپؒ کی تصانیف کا تعارف:

امام ترمذیؒ نے اپنا علم و فضل اپنی تصانیف کے سُپرد کیا تاکہ بعد میں آنے والے لوگ ان سے استفادہ کر سکیں اور فی الواقع ایسا ہی ہوا۔ آپؒ کی تصانیف نے بڑی شہرت پائی کیوں کہ ان میں وہ تمام فوائد موجود ہیں جو انہوں نے اپنے اکابر و شیوخ سے حاصل کیے تھے۔ اور آج بھی اس

کے علمی ذخیرہ سے، باوجود ایک مدت گزرنے کے، بھرپور استفادہ کیا جارہا ہے۔ اور ہر آنے والا دن اُن کے احترام میں اضافہ کا باعث بن رہا ہے۔ مشرق و مغرب، شمال و جنوب کے اہل علم اُن کی تصانیف سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

ا۔ الجامع

یہ کتاب "الجامع للترمذی" اور "السنن للترمذی" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا مکمل نام ہے: الجامع المختصر من السنن عن رسول الله ﷺ ومعرفة الصحيح والمعلول وما عليه العمل۔[11] جامع ترمذی کا جو نسخہ فضیلۃ الشیخ صالح بن عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم آل الشیخ کی نگرانی و تصحیح سے دارالسلام ریاض سے 1420ھ بمطابق 1999ء میں طبع ہوا ہے اس کے مطابق اس کی احادیث کی کل تعداد 3956 ہے۔ اس میں کتاب العلل کی احادیث کو شامل نہیں کیا گیا۔ شیخ ناصر الدین البانی نے جامع ترمذی کی صحیح اور ضعیف احادیث کو الگ الگ شائع کر دیا ہے۔ البانی کا کہنا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی جامع ترمذی میں اَسی فیصد (80%) سے زیادہ احادیث صحیح ہیں۔[12]

موصوفؒ کی کتابوں میں سے مشہور ترین کتاب یہی ہے جو صحاح ستہ میں سے ایک عظیم الشان کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ بلادِ اسلامیہ میں نہایت متداول ہے اور اس کی بے شمار طبعات پورے عالم میں بکھری ہوئی ہیں۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر مدارسِ اسلامیہ میں صحیح بخاری کے بعد اس کو بڑے اہتمام سے پڑھایا جاتا ہے، اور اسے پڑھانے کے لیے کسی تجربہ کار استاد کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اس کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر اس کی بہت ساری شروحات لکھیں گئی ہیں۔[13] گزشتہ چالیس پچاس سالوں میں جس بڑی جامعہ یا دارالعلوم میں کسی شیخ نے "جامع ترمذی " پڑھائی ہے اس نے اکثر و بیشتر اس کی شرح لکھی اور شائع کی ہے یا اس کی تقریرات و املائات کو کتابی شکل دے کر شایع کیا گیا ہے۔ اس سے اس کتاب کے مہتم بالشان ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ عربی اور اردو شروحات کو جمع کرنے کے بعد "جامع ترمذی " کی تقریباً تینتیس (۳۳) شروحات کا تذکرہ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے " کشف النقاب عما یقولہ الترمذی وفی الباب " میں کیا ہے[14] ہم طوالت کے خوف سے ان کا تفصیلی تذکرہ نہیں کرتے البتہ کچھ مشہور شروحات اور ان کے مصنفین کے نام ذکر کر دیتے ہیں:

ا۔ عارضۃ الاحوذی۔

یہ سب سے پہلی مکمل عربی شرح ہے۔ یہ شرح قاضی ابو بکر محمد بن عبداللہ مالکی (۴۶ ھ) کی ہے۔

۲۔ شرح المنقح الشذی۔

یہ شرح حافظ فتح الدین محمد بن محمد بن محمد الیعمری رحمۃ اللہ علیہ، المعروف بابن سید الناس (۷۳۴ھ) کی ہے، جس میں دو تہائی ترمذی کی شرح کی گئی ہے، یہ مکمل نہ ہو سکی پھر بھی 10 جلدوں پر مشتمل ہے۔

۳۔ شرح الجامع للترمذی۔

یہ شرح حافظ زین الدین عبدالرحمن بن رجب البغدادی الحنبلی (ھ) کی ہے۔

4۔ العرف الشذی علی جامع الترمذی۔

یہ شرح شیخ الاسلام سراج الدین عمر ارسلان البلقینیؒ (ھ) کی ہے۔ یہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے استاد ہیں۔ اس کی تکمیل بھی نہ ہو سکی۔

5۔ قوت المغتذی علی جامع الترمذی۔

یہ شرح حافظ جلال الدینؒ عبد الرحمن بن الکمال بن ابی بکر بن محمد سابق السیوطی (ھ) کی ہے

6۔ شرح ابو الطیب سندھی۔

یہ محمد ابو الطیب بن عبد القادر السندھی (ھ) کی ہے۔ مصر سے شائع ہو چکی ہے اور ہندوستان سے "الشروح الاربعۃ" میں شائع ہو چکی ہے۔

7۔ شرح ابی الحسن بن عبد الھادی السندھی المدنی۔

المتوفی ۱۱۳۹ھ کی ہے۔ مصر سے شائع ہو چکی ہے۔

8۔ نفع قوت المغتذی۔

یہ سید علی بن سلیمان المالکی (ء) کی ہے۔ ترمذی کے حاشیہ پر ہندوستان سے شائع ہو چکی ہے۔

9۔ الکوکب الدری فی شرح الترمذی۔

یہ درحقیقت، رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (ھ) کی تقریر ترمذی ہے۔ اس کے جامع یحییٰ کاندھلویؒ اور محشی شیخ الحدیث زکریاؒ ہیں۔ یہ شرح پاک و ہند سے متعدد بار چھپ چکی ہے۔ بآسانی دستیاب ہے۔

10۔ التقریر للترمذی۔

یہ شیخ محمود الحسن دیوبندیؒ (ھ) کی ہے۔ سب سے پہلے ھ میں ہندوستان سے شائع ہوئی تھی اور پاکستان میں شائع ہونے والے ترمذی کے نسخوں میں ابتداء میں یہ تقریر موجود ہے یہ عربی میں ہے۔

12۔ العرف الشذی۔

یہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (ھ) کے افادات درسیہ ہیں جنہیں چراغ محمد صاحبؒ نے دوران درس محفوظ کیا، اور ایک خاطر خواہ و قابل استفادہ مواد اس میں جمع ہو گیا۔ یہ مجموعہ الگ سے بھی شائع ہوتا ہے اور ترمذی کے حاشیہ پر بھی چھپتا ہے۔

13۔ تحفۃ الاحوذی۔

یہ قاضی عبد الرحمن مبارکپوریؒ (ھ) کی عربی شرح ہے۔ جو دس جلدوں میں ہے۔

14۔ معارف السنن

یہ محدث العصر الشیخ محمد یوسف بن السید محمد زکریا البنوری الحسینی رحمۃ اللہ علیہ (ھ) کی منفرد شرح ہے۔ جس میں حدیث و فقہ کا حسین امتزاج پیش کیا گیا۔ اس میں جہاں جا بجا فتح الباری، وعمدۃ القاری کے حوالے ملتے ہیں وہیں بحر الرائق، فتح القدیر، بدائع الصنائع و

ردالمحتار جیسی فقہی کتابوں کے حوالوں سے بھی مزین ہے۔ مسلک حنفی میں بے شک یہ ایک بے نظیر و عدیم المثال شرح ہے۔ اس میں انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے فیوضات کو سمو دیا گیا ہے۔ چھ جلدوں میں "کتاب الحج" تک مکمل ہو پائی تھی کہ محدث العصر دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اور یہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔

15۔ درس ترمذی۔

یہ مفتی محمد تقی عثمانیؒ کے افادات درسیہ ہیں۔ جو ان کے خواہر زادہ رشید اشرف سیفیؒ نے مرتب کیے ہیں اور اس پر تخریج و تعلیق کا کام بھی انتہائی محنت سے کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں میں " ابواب الطلاق واللعان " کے " باب ماجاء فی اللعان " تک چھپ چکی ہے۔

16۔ کشف النقاب عما یقولہ الترمذی وفی الباب۔

یہ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی رحمۃ اللہ علیہ (ھ) کی کتاب ہے۔ جس میں تخریج کا عظیم کام کیا گیا ہے لیکن مکمل نہ ہو سکا۔ چھ جلدیں چھپ چکی ہیں اور مستند ذرائع کے مطابق مزید چھے جلدیں قابل طبع ہیں، لیکن کام پھر بھی مکمل نہیں ہے۔[15]

۲۔ کتاب العلل

یہ کتاب علل الحدیث پر ایک مستقل تصنیف ہے جسے دنیا "العلل الکبیر" کے نام سے جانتی ہے، یہ اس کتاب کے علاوہ ہے جو "جامع ترمذی" کے آخر میں "کتاب العلل" کے نام سے ملحق ہے۔ "العلل الکبیر" عظیم الفائدہ اور کثیر المنفعہ کتاب ہے جو مطبوع ہے۔

۳۔ الشمائل النبویہ

جو شمائل ترمذی کے نام سے مشہور ہے۔ الشمائل اپنے موضوع کی بہترین کتاب ہے۔ یہ نبی اکرم ﷺ کی صفاتِ عالیہ اور عاداتِ مبارکہ پر نہایت عمدہ تالیف ہے۔ مطبوع و متداول ہے اور اس پر کئی شروحات لکھی جا چکی ہیں۔ اس کے بارے میں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: لوگوں نے قدیم دور سے ابھی تک شمائل نبویہ پر بہت ساری کتب تصنیف کی ہیں، جو علاحدہ علاحدہ بھی ہیں تو دوسری کتب کا حصہ بھی ہیں، مگر ان میں سے بہت عمدہ و منفرد تالیف امام ترمذی کی ہے جو الشمائل کے نام سے ہے۔[16]

۴۔ تسمیۃ اصحاب رسول اللہ ﷺ

اس کا نام "کتاب اسماء الصحابۃ" ہے۔ یہ بھی مطبوع ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی بقیہ کتب تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی[17]

جامع ترمذی کا مقام

امام ترمذی نے ویسے تو بہت ساری تصنیفات چھوڑی ہیں مگر جو مقام و مرتبہ آپؒ کی تصنیف "الجامع" کو ملا وہ ان کی کسی اور تصنیف کو نہ مل سکا۔ اس کتاب میں انھوں نے احکام سے وابستہ تقریباً تمام موضوعات پر مستند احادیث کا ذخیرہ اکٹھا کیا ہے، جس کی وجہ سے اسے عالمِ اسلام

میں بہت شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ موصوفؒ جہاں حافظ حدیث اور علومِ حدیث کے ماہر تھے وہاں فقہ میں بھی بہت بڑا مقام رکھتے تھے۔اس لیے انھوں نے اپنی اس کتاب میں اپنے دونوں علوم کو اکٹھے کر لیا ہے۔علامہ ابن اثیر آپؒ کے علمی مقام کے بارے میں لکھتے ہیں:وهو أحد العلماء الحفاظ الأعلام وله في الفقه يد صالحة[18]" امام ترمذیؒ علم حدیث کے حافظ اور بہت بڑے عالم تھے،اسی کے ساتھ اسے فقہ میں بھی عبور وکمال حاصل تھا"۔ جامع ترمذی کا خاص امتیاز یہی ہے کہ وہ محض احادیث کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ فقہی اجتہاد کی کتاب بھی ہے، اس میں انہوں نے مختلف ائمہ کے فقہی مذاہب، ان کے استنباطات اور دلائل کو بھی جمع کیا ہے۔[19] اس حوالے سے امام ترمذی خود فرماتے ہیں:

ما أخرجت في كتابي هذا إلاَّ حديثًاقد عمل به بعض الفقهاء، صنفت هذا الكتاب، وعرضته على علماء الحجاز، والعراق، وخراسان فرضوا به، ومن كان هذا الكتاب -يعني الجامع- في بيته، فكأنما في بيته نبي يتكلَّم[20]

"میں نے اپنی اس کتاب میں صرف وہ حدیث ذکر کی ہے جس پر کسی نہ کسی فقیہ کا عمل ہے۔اس کتاب کو لکھنے کے بعد میں نے اسے علماءِ حجاز، عراق و خراسان کے سامنے پیش کیا،ان تمام کے تمام نے اسے پسند کیا۔اب جس کے گھر میں میری یہ کتاب یعنی جامع ترمذی موجود ہے گویا کہ اس کے گھر میں نبی کریم ﷺ گفتگو فرمارہے ہیں۔"

تمام فنون خصوصاً فن حدیث میں مقدار سے زیادہ معیار کو اہمیت ہوتی ہے، یعنی روایت اور درایت کے اصول کے اعتبار سے صحیح حدیثوں کا مختصر مجموعہ، معلل حدیثوں کے ضخیم مجموعوں سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔اسی اصول پر جامع ترمذی پورا اترتی ہے۔" جامع ترمذی" کا درجۂ صحت اس سے ظاہر ہے کہ جمھور اہلِ سنت نے اسے صحیح کا درجہ دے کر صحاح ستہ میں شامل کر لیا ہے۔[21]

امام ترمذی کا منہج

امام ترمذیؒ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک باب رکھتے ہیں پھر اس میں پہلے کسی صحابی سے مشہور صحیح حدیث ذکر کرتے ہیں جسے اصحابِ صحاح نے ذکر کیا ہے، پھر اسی باب میں اسی حکم پر مشتمل ایک اور حدیث شاہد کے طور پر کسی دوسرے صحابی سے ذکر کرتے ہیں جسے اصحاب صحاح نے ذکر نہیں کیا اور اس کی سند پہلی سند جیسی نہیں البتہ جس حکم پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے وہ صحیح ہے، پھر اس کے بعد کہتے ہیں کہ اس باب میں فلاں وفلاں صحابی سے بھی احادیث مروی ہیں ہیں۔[22]

جامع ترمذی کا صحاح ستہ میں درجہ

حدیث کی کسی کتاب کا درجہ یا حیثیت متعین کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ محدثین کی ان شرائط کو سمجھا جائے جن کو بنیاد بنا کر انھوں نے اپنی کتب کو تصنیف کیا ہے۔

حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی اپنی کتاب "شروط الائمہ "میں فرماتے ہیں: صحاح کے مصنفین میں سے کسی نے یہ صراحت نہیں کی کہ میں نے اپنی کتاب میں حدیث ذکر کرنے کے لیے یہ شرائط رکھی ہیں، لیکن جب میں نے ان کا گہرائی سے مطالعہ کیا تو ہر ایک کی شرائط معلوم

ہو گئیں: بخاری و مسلم کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسی حدیث ذکر کرتے ہیں جس کے تمام رواۃ کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہو اور وہ کسی مشہور صحابی تک سند بھی پوری ذکر کر دیں، ابوداؤد اور نسائی کی روایات تین اقسام میں منقسم ہیں:

1۔ایسی حدیث جو صحیحین میں لائی گئی ہو۔

2۔ایسی حدیث جو صحیحین کے شرط کے مطابق ہو اگرچہ انھوں نے ذکر نہ کی ہو۔

3۔ایسی احادیث جن کی صحت قطعی نہیں ہوتی البتہ محدثین انھیں نقل کرتے ہیں اور انھیں دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، اس لیے وہ ایسی روایات اپنی کتب میں لاتے ہیں مگر وہ ایسی روایات صرف ضرورت کے تحت لاتے ہیں۔اور ان کے ضُعف کی وجہ بھی بیان کر دیتے ہیں جسے اہلِ فن جانتے ہیں۔

جہاں تک امام ترمذی کا تعلق ہے تو وہ چار قسم کی احادیث ذکر کرتے ہیں:

1۔ قطعی طور پر صحیح حدیث جو بخاری و مسلم میں موجود ہو۔

2۔وہ حدیث جو ابوداؤد و نسائی کی دوسری شرط کے مطابق ہو یعنی بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہو اگرچہ ان میں موجود نہ ہو۔

3۔ایسی حدیث جو ابوداؤد ونسائی کی تیسری شرط کے مطابق ہو یعنی جس میں ضعف ہے مگر چونکہ محدثین اسے نقل کرتے اور اس سے استدلال کرتے ہیں تو امام ترمذی بھی اسے نقل کرتے ہیں اور اس کے ضعف کی وجہ بھی بیان کر دیتے ہیں۔

4۔ایسی حدیث جس پر کسی نہ کسی فقیہ کا عمل ہے۔

اس اصول کے مطابق امام ترمذی ہر اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں جس کے ساتھ کسی فقیہ نے حجت پکڑی ہو یا اس کے حکم پر کسی نے عمل کیا ہو، خواہ اس کی سند صحیح ہو یا نہ ہو۔[23]

اس اعتبار سے جامع ترمذی صحاح ستہ میں پانچویں نمبر پر آتی ہے۔

علامہ ابو بکر حازمیؒ (متوفی 584ھ) نے رواۃ حدیث کو پانچ طبقات میں منقسم کیا ہے، پھر یہ بھی وضاحت کی ہے کہ صحاح کی مصنفین میں سے کون سے مصنف کس کس طبقے سے احادیث لیتے ہیں۔اس طرح کتابوں کی حیثیت بھی متعین ہو جاتی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: رواۃ کے پانچ طبقات ہیں اور ہر طبقے کو آنے والے طبقہ پر فضیلت حاصل ہے، مثال کے طور پر امام ابن شہاب زُہری کو لے لیجیے، اس کے شاگرد پانچ طرح کے ہیں:

1۔اول وہ جو صحت کے اعلی معیار پر پورے اترتے ہیں یعنی جو حفظ، ضبط اور طولِ ملازمت کی اوصاف کے ساتھ متصف ہیں جیسے امام مالک، ابنِ عیینہ، عُبیدِ اللہ ابن عمر، یُونسَ، عُقَیل اور ان جیسے دوسرے رواۃ، اور ایسے ہی رواۃ امام بخاری کی شرط ہیں۔

2۔ دوسرے طبقے کے رواۃ وہ ہیں جنھیں حفظ وضبط تو پہلے طبقے جیسا ہی حاصل ہے مگر انھیں اپنے شیخ کے ساتھ طول الملازمۃ (کثرت ہم نشینی) حاصل نہیں بلکہ مختصر مدت کے لیے اپنے شیخ کے ساتھ رہ سکے، ایسی صورت حال میں ظاہر ہے کہ ان کا اتقان پہلے طبقے جیسا نہیں ہو گا،

اور ایسے ہی رواۃ امام مسلم کی شرط کے مطابق ہیں، جیسے امام زہری کے شاگردوں میں سے اوزاعی، لیث بنِ سعد، نعمانِ بنِ راشد، عبدالرحمن بنِ خالد بن مسافر، ابن أبي ذئب.

3۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جنھیں طول ملازمت تو پہلے طبقے کی طرح حاصل ہے مگر حفظ وضبط پہلے طبقے کا حاصل نہیں، اس لیے وہ جرح سے بچ نہ سکے، ایسے رواۃ کو رد بھی کیا سکتا ہے تو قبول بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ شرط ہے ابوداؤد ونسائی کا جیسے سفیان بن حسین، جعفر بن بُرقان، اور إسحاق بن يحيى الكلبي۔

4۔ چوتھے طبقے میں ایسے رواۃ آتے ہیں جو جرح وتعدیل میں تیسرے طبقے کے ساتھ شریک ہیں مگر طول ملازمت انھیں حاصل نہیں، وہ اپنے شیخ کے ساتھ زیادہ عرصہ نہیں رہ پائے۔ اور ایسے رواۃ امام ترمذی کی شرط کے مطابق ہیں۔ امام ترمذی ان کے ضعف کی وجہ بیان کرتے ہیں اور ان کی روایات کو شواہد ومتابعات کے طور پر ذکر کرتے ہیں، لیکن اس کا اصل اعتماد ان رواۃ پر ہوتا ہے جو جماعتِ محدثین کے ہاں صحیح ہیں، اسی طبقے سے ہیں: زمعة بن صالح، معاوية بن يحيى الصدفي، اور مثنى بن الصباح وغیرہ۔

5۔ پانچویں طبقے میں ایسے ضعیف ومجہول رواۃ آتے ہیں جنھیں سوائے تائیدی دلیل کے بنیادی دلیل کے طور پر ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے رواۃ کبھی بھی امام بخاری ومسلم کے پاس قابل التفات نہیں رہے، جیسے بحرِ بن کنیزِ السقا، حکمِ بن عبداللہ الأیلی، عبدالقدُّوس بن حبیب، محمد بن سعید المصلوب.

امام بخاری کبھی کبھی طبقہ ثانیہ کے اعلی درجے کے رواۃ سے حدیث ذکر کرتے ہیں اور مسلم طبقہ ثالثہ کے بڑے علماء سے حدیث ذکر کرتے ہیں اور ابوداؤد چوتھے طبقے کے مشہور رواۃ سے حدیث ذکر کرتے ہیں کچھ اسباب کی بنا پر جو ایسی حدیث کے ذکر کا تقاضا کرتے ہیں۔

امام شمس الدین ذہبی کہتے ہیں کہ امام ترمذی کا رتبہ سنن ابی داؤد وسنن نسائی کے بعد ہے اس لیے کہ اس نے محمد بن سعید مصلوب وکلبی جیسے رواۃ سے بھی حدیثیں لی ہیں، جو پانچویں طبقے کے ہیں۔[24] اس اعتبار سے علامہ ابو بکر حازمی کے پاس بھی جامع ترمذی کا درجہ پانچویں نمبر پر ہے۔

ضیاء الدین اصلاحی محدثین کی شرائط کے بارے میں لکھتے ہیں: حدیث کی صحت وعدم صحت کا مدار دو چیزوں پر ہے: رواۃ کی حیثیت اور سلسلۂ سند کی کیفیت۔ اصول حدیث کی رو سے رواۃ کے بارے میں تمام اصحابِ صحاح کے بنیادی شرائط یکساں ہی ہیں، یعنی راوی کا اسلام، فہم وفراست، صداقت، عدم تدلیس، عدالت مع جملہ شرائط، حفظ، ضبط، عدم وہم، سلامتِ ذہن اور صحتِ عقیدہ سب کے نزدیک ضروری شرائط ہیں۔ پھر ان اوصاف میں کمی زیادتی کے اعتبار سے رواۃ کے مدارج قائم ہو جاتے ہیں، اور ان مدارج اور سند کی حیثیت اور اس کی اقسام کے اعتبار سے حدیث کی صحت وعدم صحت اور نقص وکمال سے اختلاف شروع ہو جاتا ہے، مثلاً امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ عموماً وہی حدیثیں قبول کرتے ہیں جن کے راویوں کی ثقاہت وعدالت متفق علیہ ہو، جرح وتعدیل کی رو سے بالکل مامون ومصوؔن ہوں، سند نقائص سے پاک ہو، بلکہ حاکم نے صحیحین کی شرائط میں ایک روایت کے لیے ان اوصاف کے دو راویوں کے ہونے کا ذکر کیا ہے لیکن یہ شرط کلیہ کی صورت میں صحیح نہیں ہے کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تمام روایتیں اس شرط کے مطابق نہیں ہیں، البتہ اس کا بڑا حصہ اسی قسم کا ہے۔

اسی طرح امام ترمذیؒ کا نقطۂ نظریہ ہے کہ روایت کسی نہ کسی امام یا محدث کے یہاں معمول بہا ہونی چاہیے، خواہ راوی اور سند اصول حدیث کی روسے یکسر نقائص سے پاک نہ ہو، چنانچہ امام صاحبؒ چوتھے طبقے تک کے راویوں کی روایتیں قبول کر لیتے ہیں اور صحیح، مسلسل، اور مرفوع روایتوں کے ساتھ ضعیف، مرسل، منقطع اور مضطرب روایتوں کو بھی رد نہیں کرتے لیکن عموماً اس قسم کی روایتوں کو وہ شواہد اور متابعات کی حیثیت سے لیتے ہیں، یعنی ایک صحیح روایت کے ساتھ اس کی تائید میں دوسری معطل روایت قبول کرتے ہیں لیکن وہ اپنی "سنن" میں ہر روایت کا عیب و ہنر اور نقص و کمال بھی ظاہر کر دیتے ہیں، اس لیے پڑھنے والے کو اُن کی "جامع" کی حیثیت اور درجہ کا علم ہو جاتا ہے یہ خصوصیت "ترمذی" کے علاوہ صحاح کی کسی اور کتاب میں نہیں ہے۔[25]

شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک "جامع ترمذی" کا مقام

شاہ ولی اللہ امام ترمذیؒ کی "جامع" کو چوتھے نمبر پر رکھتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ امام ترمذیؒ کی کتاب "الجامع" صحیح بخاری، صحیح مسلم، و سنن ابی داؤد کی بعض خصوصیات کی جامع ہے۔ اور اس میں ان تینوں کتابوں سے زیادہ مفید باتیں پائی جاتی ہیں، چنانچہ شاہ صاحب، بخاری، مسلم اور ابو داؤد کی خصوصیات بتانے کے بعد لکھتے ہیں: چوتھے ابو عیسیٰ ترمذیؒ ہیں، انہوں نے بخاری، مسلم اور ابو داؤد کی بعض خصوصیات کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے، شیخین کے طریقہ پر متون اور اسناد کے ابہام کی تفصیل کر دی ہے اور ابو داؤد کے طریقہ پر ان احادیث کو جمع کر دیا جن پر کسی کا عمل ہے اور ان تینوں کی کتابوں پر یہ اضافہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور مختلف ممالک کے فقہا کے مذاہب کا بھی ذکر کر کے اپنی کتاب کو جامع بنا دیا ہے، طرقِ حدیث کا نہایت لطافت کے ساتھ اختصار کیا ہے، اس طرح کہ ایک حدیث نقل کر کے دوسرے طرق کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور ہر حدیث کے عیب و ہنر کو ظاہر کر دیا ہے کہ صحیح یا حسن یا ضعیف یا منکر ہے اور وجہ ضُعف بھی بتا دی ہے تاکہ طالب علم کو قابلِ اعتبار اور نا قابلِ اعتبار حدیث سے واقفیت ہو جائے، جس کا نام بتانے کی ضرورت تھی، اس کا نام لے لیا ہے، جس کی کنیت کی ضرورت تھی، اس کی کنیت بتا دی ہے۔ غرض انہوں نے صاحبِ علم کے لیے کوئی چیز مخفی نہیں چھوڑی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ "جامع ترمذی" مجتہد کے لیے کافی اور مقلد کے لیے دوسری کتابوں سے بے نیاز کرنے والی ہے۔[26]

شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کے ہاں امام صاحبؒ کی "جامع" کی حیثیت

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: "جامع ترمذی" حدیث کی بہترین کتابوں میں سے ایک ہے بلکہ بعض وجوہات اور حیثیات سے حدیث کی تمام کتابوں سے بہتر ہے، ایک ترتیب وعدم تکرار کی حیثیت سے، دوسرے فقہاء کے مذاہب اور ان کے استدلال کے ذکر کی حیثیت سے، تیسرے حدیث کی اقسام: صحیح، حسن، ضعیف، غریب اور معلل کے ذکر کی حیثیت سے، چوتھے رواۃ کے نام، ان کے القاب اور کنیتوں اور علم رجال سے متعلق دوسرے فوائد کی حیثیت سے بہتر ہے۔[27]

"جامع ترمذی" میں استعمال کی گئی اصطلاحات

امام ترمذی نے اپنی " جامع " میں کچھ مخصوص اصطلاحات استعمال کی ہیں جن کی ہم کچھ وضاحت کرتے ہیں۔

اصطلاح کہتے ہیں کسی لفظ کے اس خاص و متعین معنی کو جو کسی خاص طبقے میں معروف و مشہور ہو گیا ہو۔[28]

امام ترمذی نے اپنی جامع میں جو اصطلاحات استعمال کی ہیں وہ علوم الحدیث اور اصول حدیث میں ایک منفرد اور تجدیدی سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

امام صاحبؒ نے "جامع" میں جو اصطلاحات استعمال کی ہیں وہ اپنے مفہوم سمیت ذیل میں دی جاتی ہیں۔

1۔ ھذا حدیث حسن صحیح (یہ حدیث حسن صحیح ہے)

عموماً محدثین کسی حدیث پر یا تو صرف صحیح یا صرف حسن کا حکم لگاتے ہیں، مگر امام ترمذی عموماً حسن اور صحیح دونوں کو اکٹھے ذکر کرتے ہیں۔ اور یہ جمع قابل اعتراض ہے، اس لیے کہ صحیح اور حسن میں تضاد ہے، تو دو متضاد چیزیں اکٹھے کیسے ہو سکتی ہیں۔ صحیح میں ہر راوی کا حافظہ اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے، جب کہ حسن میں کسی راوی کے حافظہ کے اندر قصور و نقص ہوتا ہے، لہذا صحیح و حسن جمع نہیں ہو سکتے۔

اس کا جواب بعض محدثین نے یہ دیا ہے:

ا۔ یہاں صحیح اور حسن کے اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں جو اعتراض کیا جائے بلکہ یہاں لغوی معنی مراد ہیں یعنی ماتمیل الیہ النفس و تستحسنه " ایسی چیز جس کی طرف نفس مائل ہو اور اسے مستحسن سمجھے "لیکن یہ جواب اس لیے درست نہیں مانا جا سکتا کہ:

اول تو حضور ﷺ کی ہر حدیث ایسی ہوتی ہے جس کو نفس پسند کرتا ہے۔ پھر اما صاحبؒ کا "ھذا حدیث حسن صحیح " کہنے کا کیا فائدہ؟

دوم یہ کہ اگر لغوی معنی مراد لیا جائے تو یہ بات موضوع اور ضعیف حدیثوں پر بھی صادق آئے گی۔[29] کیونکہ جو آدمی موضوع یا ضعیف حدیث بناتا ہے وہ بھی اس کے مضمون کو اچھا ہی بناتا ہے اور امام ترمذیؒ موضوع اور ضعیف کے لیے یہ عنوان استعمال ہی نہیں کرتے۔

سوم یہ کہ کتاب حدیث کی ہے اور امام ترمذی باقی تمام اصطلاحات محدثین کی استعمال کر رہے ہیں پھر "حسن صحیح" میں اصطلاحِ قوم سے اعراض کرنا اُصول کے خلاف ہے۔[30]

۲۔ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ: صحیح کو بشرط الشئ کے درجے میں لیا جائے یعنی اس میں کمال ضبط واتقان وعدالت وغیرہ کی رعایت رکھی جائے اور "حسن" کو، لا بشرط الشئ، کے درجے میں لیا جائے، یعنی نہ قصورِ حافظہ کی قید ہو نہ کمالِ حافظہ کی تو اب ہر " صحیح حدیث " حسن ہو گی، لیکن ہر "حسن" صحیح نہیں ہو گی۔ عموم خصوص مطلق کی نسبت ہو گی، لہٰذا دونوں جمع ہو جائیں گی۔[31]

حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس جواب کو پسند فرمایا ہے لیکن یہ جواب بھی اس لیے مخدوش ہے کہ محدثین کی اصطلاح کے خلاف ہے، ان کی اصطلاح میں "حسن" میں قصورِ ضبط شرط ہے۔[32]

۳۔ حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا: کہ " حسن " اور " صحیح " کے درمیان ایک متوسط درجہ ہے، جسے حسن صحیح کہا جاتا ہے۔

یعنی وہ روایت جس کے راوی میں ضبط کا نقصان اتنا نہ ہو جتنا "حسن" کے راوی میں ہوتا ہے۔ اور اتنا کمال بھی نہ ہو جتنا " صحیح " کے راوی میں

ہوتا ہے، یعنی بین بین ہو۔ جیسے حلو میٹھا، حامض کھٹا اور حلو حامض کھٹا میٹھا۔ لیکن یہ جواب محل نظر ہے، کیونکہ یہ بھی اصطلاح محدثین کے خلاف ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ آپؒ نے "حسن صحیح" کا اطلاق کئی جگہ ان حدیثوں پر کیا ہے جو بالکل صحیح ہوتی ہیں تو اگر یہ جواب صحیح تسلیم کیا جائے تو وہ تمام حدیثیں جو عند المحدثین صحیح ہیں، وہ مصنف کے ہاں "صحیح" کے درجے سے گری ہوئی ہوں گی، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ اعتراض زرکشی اور ابن حجرؒ نے ابن کثیرؒ پر کیا ہے۔[33]

۴۔ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دراصل یہ حدیث صحیح ہوتی ہے اور حسن کا لفظ بطور تاکید کے بڑھا دیتے ہیں، اس پر یہ اعتراض ہے کہ تاکید بعد میں آیا کرتی ہے، اور امام صاحبؒ "حسن" پہلے کہتے ہیں۔[34]

۵۔ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرا جواب یہ دیا کہ محدث جب تک ضبط وعدالت کے اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچتا، اس کی حدیث "حسن" ہوتی ہے، اور جب اس بلند مقام تک پہنچتا ہے، اس کی حدیث صحیح کے درجے میں آجاتی ہے تو "حسن صحیح" کہنا دو مختلف زمانوں کے اعتبار سے ٹھیک ہے۔[35]

۶۔ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ وہ حدیث موصوفؒ کی نظر میں "حسن" اور دوسرے محدثین کے نزدیک "صحیح" ہوتی ہے، یا اس کا عکس ہوتا ہے، اس لیے مصنفؒ دونوں کا ذکر کرتے ہیں۔[36]

۷۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ اگر حدیث ایک ہی سند سے مروی ہوتی ہے تو راوی کے بارے میں مصنفؒ کو تردد پیش آتا ہے کہ اس کو کامل الضبط قرار دیا جائے یا نہیں، اس صورت میں عبارت کے اندر "او" مقدر ہوگا، "حسن او صحیح۔"[37]

۸۔ اگر وہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ایک سند کے اعتبار سے حسن اور دوسری سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی، "حسن بسند و صحیح بسند۔"[38]

2۔ مقارب الحدیث

امام ترمذیؒ اپنی جامع میں بیانِ حدیث کے دوران "ھو مقارب الحدیث" کی اصطلاح بھی رقم کرتے ہیں۔

اگر لفظ مقارب کو بکسر راء (اسم فاعل) پڑھا جائے تو معنی یہ ہوگا: حدیثه يقارب حديث غيره "یعنی اس راوی کی حدیث دوسرے (ثقہ رواۃ) کی حدیث کے قریب قریب ہے" اور اسم مفعول ہونے کی صورت میں معنی یہ ہوگا: حديثه يقاربه حديث غيره "یعنی دوسرے (ثقہ رواۃ) کی حدیث اس کی حدیث کے قریب قریب ہے" مولانا رشید احمد گنگوہی مقارب الحدیث کا مطلب اس طرح بیان فرماتے ہیں:

ای يقارب حديثه القبول او الذهن "یعنی اس راوی کی حدیث قبولیت یا ذہن کے قریب قریب ہے"[39] دونوں معنی قریب قریب ہیں۔ اور جمہور محدثین کے نزدیک لفظ "مقارب الحدیث" الفاظ تعدیل میں سے ہے۔[40]

جلال الدین سیوطیؒ نے ابن سیدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اسم فاعل کی صورت میں یہ الفاظ تعدیل میں سے ہے اور اسم مفعول کی صورت میں الفاظ جرح میں سے ہے۔[41] اس کے الفاظ تعدیل میں ہونے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ امام صاحبؒ کئی جگہ "ثقة مقارب الحديث"

فرماتے ہیں۔[42]

3۔ھذا حدیث مضطرب وھذا حدیث فیہ اضطراب

موصوفؒ جامع میں بسا اوقات یہ اصطلاح بھی استعمال کرتے ہیں "ھذا حدیث مضطرب وھذا حدیث فیہ اضطراب"

اضطراب کی دو قسمیں ہیں: ۱۔اضطراب فی السند ۲۔اضطراب فی المتن

۱۔اضطراب فی السند: یہ ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی سند میں کمی بیشی کریں، کوئی تین اور کوئی چار واسطے بتائے یا ایک ہی راوی کے نام و نسب میں تبدیلی کرتے رہیں۔

۲۔اضطراب فی المتن: یہ ہوتا ہے کہ متن حدیث میں تبدیلی یا کمی بیشی کی جائے۔

اضطراب کی تحقیق کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس حدیث کے طرقِ مختلفہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہ ہو، اگر ایک طریق کو دوسرے پر ترجیح حاصل ہے تو پھر راجح و مرجوح میں سے کوئی مضطرب نہیں، بلکہ طریق مرجوح کے راوی اگر ثقہ ہیں اسے شاذ اور اگر ضعیف ہیں اسے منکر کہا جائے گا۔اضطراب فی السند کے بارے میں تفتیش کرنا محدث کا کام ہے، جب کہ اضطراب فی المتن کی تحقیق مجتہد کرتا ہے۔[43]

4۔ھذا حدیث غیر محفوظ

مصنف اپنی جامع ترمذی میں بسا اوقات اس اصطلاح کو بھی ذکر کرتے ہیں: "ھذا حدیث غیر محفوظ" غیر محفوظ سے مراد حدیثِ شاذ ہے، یعنی وہ حدیث جس میں ایک ثقہ راوی جماعتِ ثقہ کی مخالفت کر رہا ہو، تو دوسرے ثقات کی روایت، جو راجح ہے، اسے محفوظ اور متفرد ثقہ راوی کی روایت کو غیر محفوظ یعنی شاذ کہا جائے گا۔[44] شاذ روایت غیر مقبول و مردود ہے، البتہ شاذ کا اطلاق اس روایت پر بھی ہوتا ہے جس میں ایک ثقہ راوی متفرد ہو لیکن وہ دوسرے ثقات کی مخالفت نہ کرتا ہو، اس لحاظ سے شاذ روایت مقبول ہے[45] شاذ غیر مقبول کی مثال وہ روایت ہے جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے (اضطجاع بعد رکعتی الفجر) میں نقل کیا ہے:

حدثنا بشر بن معاذ العقدی ناعبد الواحد بن زیاد نا الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ قال:قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا صلی احدکم رکعتی الفجر فلیضطجع علی یمینہ [46]

" بشر بن معاذ عقدی نے عبد الواحد بن زیاد سے روایت نقل کی اور اس نے اعمش سے اور اس نے ابو صالح سے اور اس نے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی فجر کی دو رکعات پڑھ چکا تو اسے چاہیے کہ اپنے دائیں جانب لیٹ جائے"

اس روایت میں عبد الواحد نے اعمش سے جناب رسول اللہ ﷺ کا قول نقل کیا ہے، حالانکہ اعمش کے دوسرے تمام تلامذہ نبی کریم ﷺ کا فعل بیان کرتے ہیں۔[47] ابن حجرؒ عبد الواحد کے بارے میں لکھتے ہیں:فی حدیثہ من الا عمش وحدہ مقال " عبد الواحد اکیلے نے جو روایت اعمش سے کی ہے اس میں کلام کیا گیا ہے یعنی غیر مقبول ہے" اگر ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کرے تو اس کی روایت کو منکر او

ر ثقہ کی روایت کو معروف کہا جاتا ہے۔

5۔ھذا حدیث حسن غریب

مصنفؒ اپنی جامع میں بیانِ حدیث کے دوران ایک اصطلاح ان الفاظ سے بھی رقم کرتے ہیں: ھذا حدیث حسن غریب" یہ حدیث حسن غریب ہے"

امام صاحب کی اس اصطلاح پر ابن حجرؒ کی جانب سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ امام صاحب نے اپنی کتاب "العلل الصغری"میں "حدیث حسن"کی تعریف اس طرح کی ہے:

کل حدیث یروی ولایکون فی اسناده من یتھم بالکذب، ولا یکون الحدیث شاذا، ویروی من غیر وجه نحو ذلک[48] "ہر ایسی حدیث جو نقل کی جائے اور اس کی سند میں کوئی ایسا راوی نہ ہو جو متہم بالکذب ہو اور حدیث شاذ بھی نہ ہو اور اسی طرح کئی طرق سے مروی ہو تو اسے حدیث حسن کہا جائے گا"

اس تعریف کے پیش نظر مصنفؒ کی رائے میں "حدیث حسن"میں تعدد طرق ضروری ہے،اور حدیث غریب میں تعدد نہیں ہوتا، بلکہ تفرد ہوتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث" حسن" اور "غریب" میں منافات ہے۔تو امام ترمذی رحمۃاللہ علیہ کس طرح ایک ہی حدیث پر" حسن" اور "غریب" کا حکم لگاتے ہیں؟

اس کا ایک جواب یہ دیا جاتا ہے کہ امام ترمذیؒ نے "حسن" کی جو تعریف کی ہے،وہ "حسن مطلق"کی تعریف ہے،یعنی جب کہ اس کے ساتھ دوسرے اوصاف نہ ہوں،اگر دوسرے اوصاف ساتھ ہیں،پھر ان کے یہاں "حسن" میں تعدد طرق ضروری نہیں ہو گا۔[49]

انور شاہ کشمیری رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی رحمۃاللہ علیہ نے "علل صغری"میں" غریب" کی تین تعریفیں کی ہیں:

۱- ھو الذی لایروی الا من طریق واحد کما ھو عند الجمھور-

"جمہور کے نزدیک غریب حدیث اسے کہتے ہیں جو طریق واحد سے مروی ہو"

۲- ما یستغرب لزیادة تکون فی الحدیث، ولا تکون ھی فی المشھور-

" حدیث کے متن میں کوئی ایسا اضافہ ہو جو مشہور حدیث میں نہ ہو تو ایسی حدیث کو بھی غریب کہا جائے گا"

۳- مایستغرب لحال الا سنادو ان کان یروی من اوجه کثیرة-[50]

" حدیث کی سند میں کوئی اضافہ ہو جو دوسرے طرق میں نہ ہو حالانکہ وہ حدیث کئی طرق سے منقول ہو، تو ایسی حدیث کو بھی غریب کہا جائے گا"

دوسری اور تیسری تعریف کے لحاظ سے" حسن" اور "غریب" جمع ہو سکتے ہیں،ان میں کوئی منافات نہیں، منافات صرف پہلی تعریف کے لحاظ سے ہے۔

مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تقریباً ایسا ہی جواب دیا ہے، اگرچہ انہوں نے امام ترمذیؒ کے کلام کا حوالہ نہیں دیا۔ اور چونکہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رسائی اس جواب تک نہ ہو سکی اس لیے اس نے اعتراض کر لیا جبکہ علامہ انور شاہ کشمیری صاحب کی بات بہت دلنشین ہے۔ " [51]

6۔ھذا حدیث جید

امام صاحب اس اصطلاح "ھذا حدیث جید" کو بھی اپنی جامع میں ذکر کرتے ہیں۔

ابن الصلاح کی رائے ہے کہ "جید" اور" صحیح "دونوں ایک ہی درجے کے دو نام ہیں۔ جامع ترمذی کی "کتاب الطب" میں "ھذا حدیث جید حسن" بھی وارد ہوا ہے۔ عام محدثین کے نزدیک "جید" اور" صحیح" میں کوئی فرق نہیں، لیکن ماہرین کا کہنا ہے، کہ اس میں ایک باریک نکتہ ہے یعنی جو حدیث "حسن لذاتہ" کے درجے سے اعلیٰ اور صحیح سے ادنیٰ ہو، اسے "جید" کہتے ہیں۔ [52]

7۔اسنادہ لیس بذاک

امام صاحبؒ اس اصطلاح کو بھی جامع میں استعمال کرتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سند قوی نہیں۔ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ذاک" کا مشار الیہ علم حدیث سے تعلق رکھنے اور سند قوی کو معتبر سمجھنے والے کے ذہن میں موجود ہے۔ [53]

8۔ھذا اِسناد مشرقی

"اسناد مشرقی "کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں مذکور تمام رواۃ مشرق (بصرہ، کوفہ اور ان کے قرب وجوار) کے رہنے والے تھے۔ ان میں اہل مدینہ میں سے کوئی نہیں۔ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ جرح کے الفاظ میں سے نہیں ہیں، صرف یہ بتانے کے لیے ہیں کہ اس کے تمام راوۃ مشرقی ہیں۔ امام شافعیؒ سے منقول ہے: کل حدیث لایوجد لہ اصل فی حدیث الحجازیین واہ " ہر ایسی حدیث جس کی اصل اہلِ حجاز کی حدیث میں نہ ملتی ہو غیر معتبر ہے "اسی طرح حازمیؒ نے بھی کہا کہ اگر دو متعارض حدیثوں میں سے ایک کی سند مشرقی اور دوسری کی سند حجازی ہو تو حجازی کو مشرقی پر ترجیح ہوگی۔ [54]

9۔ھذا حدیث مفسر

امام صاحب اپنی جامع میں یہ اصطلاح بھی استعمال فرماتے ہیں۔

کلام کے سیاق وسباق کے اعتبار سے اس میں تین معنی مراد ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ مفسر کو اسم فاعل (بکسر سین) پڑھا جائے یعنی یہ حدیث کسی آیت یا دوسری کسی حدیث کی تفسیر بیان کر رہی ہے، یا اسم مفعول (بفتح سین) پڑھا جائے یعنی کسی راوی یا کسی اور حدیث سے اس کی تفسیر کی گئی ہے، یا اس سے اصولِ فقہ کی اصطلاح والا مُفَسّر مراد ہو جو نص کے مقابلہ میں ہوتا ہے، اس صورت میں بھی اسم مفعول (یعنی بفتح سین) پڑھا جائے گا۔ [55]

10۔قد ذھب الیہ بعض اھل الکوفہ

امام صاحبؒ ہر باب میں بیانِ مذاہب کا التزام فرماتے ہیں، اور اس میں یہ جملہ "بعض اہلِ الکوفہ" بھی استعمال کرتے ہیں۔ نیز مصنف ؒ نے اپنی کتاب "جامع" میں کسی بھی جگہ پر امام ابو حنفیہؒ کا نام نہیں لیا۔ البتہ کتاب" العلل" کی ایک روایت میں امام ابو حنفیہؒ کا نام ملتا ہے۔ لیکن وہ روایت بعض نسخوں میں نہیں ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ کتاب" العلل "خود ایک مستقل کتاب ہے، لہذا یہ جو کہا جاتا ہے کہ " جامع ترمذی "میں ابوحنفیہؒ کا نام نہیں ہے، اپنی جگہ صحیح ہے۔ سراج احمد سرہندیؒ اور عبد الحق دہلویؒ فرماتے ہیں کہ "جامع ترمذی "میں جہاں بھی اہل کوفہ کا لفظ آتا ہے اس سے امام ابو حنفیہ اور اس کے پیروکار مراد ہیں۔ 56

ان حضرات کا یہ حکم، للاکثر حکم الکل، کے اعتبار سے ہے ورنہ بعض ایسے مقامات ہیں جہاں اہل کوفہ سے حنفیہ کے علاوہ دوسرے حضرات مراد ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ امام ترمذیؒ امام ابو حنفیہؒ کا اسمِ گرامی کیوں ذکر نہیں کرتے ؟ تو بعض حضرات نے کہا کہ امام ترمذی نے حنفیہ سے غایتِ تعصب کی بنا پر یہ طریقہ اختیار کیا ہے، لیکن بہتر توجیہ جو امام ترمذیؒ کے شایانِ شان ہے وہ یہ ہے کہ حنفیہ کا مذہب امام ترمذیؒ تک کسی قابلِ اعتماد سند سے نہیں پہنچا تھا، اس لیے انہوں نے تصریح نہیں فرمائی۔ 57

11۔ھذا الحدیث اصح شیء فی ھذا الباب واحسن

امام صاحب بسااوقات جامع میں یہ اصطلاح بھی رقم کرتے ہیں۔ اس عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ اس باب کی تمام حدیثیں صحیح ہیں، اور یہ حدیث ان میں زیادہ صحیح ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس باب میں تمام روایت شدہ احادیث میں سے یہ روایت ارجح ہے، چاہے تمام حدیثیں صحیح ہوں یا ضعیف۔ 58

ایک اعتراض اور اس کا جواب

امام ترمذیؒ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کی انہوں نے "جامع ترمذی" کی روایت کی تحسین و تصحیح میں تساہل سے کام لیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ وہ ایک ہی حدیث کو "حسن صحیح غریب" کہہ دیتے ہیں، حالانکہ کسی ایک حدیث میں ایک ساتھ ان تینوں اوصاف یا ان میں سے کسی دو کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

محدثین نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں۔

ایک جواب تو یہ دیا جاتا ہے کہ در حقیقت یہ اعتراض اس لیے پیش آتا ہے کہ حدیث حسن، صحیح اور غریب کے ایک متعین معنی، اور ایک خاص قسم کی تعریف کو معیار قرار دے کر امام ترمذی کی اصطلاح حسن صحیح اور غریب کو اس پر منطبق کیا جاتا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ اگر ان حدیثوں کے جملہ مراتب و درجات، ان کے اقسام، ان کی مختلف نوعیتوں اور اس بارے میں محدثین کے اختلافات کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ اشکال پیدا نہیں ہو سکتا۔

دوسرا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اولاً امام ترمذی خود مجتہد تھے، انہوں نے محدثین کی اصطلاحات کے مروجہ معانی کو بجنسہ قبول نہیں کیا تھا بلکہ ان

کی بعض اصطلاحات کا مفہوم، محدثین کی عام اصطلاحات سے مختلف تھا، مثلاً مقدمہ ابن صلاح میں حسن کی مشہور تعریف یہ ہے کہ جس کا مخرج معلوم ہو اور اس کے رجال مشہور ہوں۔ لیکن، کتاب العلل میں ترمذی کے نزدیک حسن وہ ہے جس کا کوئی راوی کذب سے متہم نہ ہو اور روایت شاذ نہ ہو۔ قاضی عبدالرحمٰن مبارکپوری نے مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں اور اسی طرح عبدالحق محدث دہلوی نے مقدمہ شرح مشکوۃ میں لکھا ہے کہ یہ بھی "حسن" کی محض ایک قسم کی تعریف ہے۔ نیز کتاب العلل میں امام ترمذیؒ نے خود اس کی تصریح کر دی ہے کہ جس حدیث کو انہوں نے حسن کہا ہے اس سے عام محدثین کی اصلاح مراد نہیں بلکہ ان کی اپنی اصطلاح حسن مراد ہے۔

تیسرا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حدیث کی صحت کے بہت سے مدارج اور اس کی مختلف نوعتیں ہیں، اس لحاظ سے صحیح کی بہت سی قسمیں ہو جاتی ہیں، ابن صلاح لکھتے ہیں کہ " حدیث صحیح وہ ہے جس کی سند شروع سے آخر تک مسلسل ہو، اس کے تمام راوی عادل وضابط ہوں اور روایت شاذ و معلل نہ ہو[59] (معلل اس روایت کو کہتے ہیں جس میں کوئی مخفی عِلَّت، یعنی چھپی ہوئی کمزوری پائی جاتی ہو۔ اگرچہ بظاہر وہ اس سے پاک نظر آئے۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے، جب راوی میں طعن کا سبب عموماً "وھم" ہو۔ مثلاً عبداللہ بن دینار (127ھ) کے بجائے، عمرو بن دینار (126ھ) کے نام کے استعمال کا سبب، راوی کا "وھم" ہے۔)[60] ایسی حدیث بالاتفاق تمام محدثین کے نزدیک صحیح ہے۔ یعنی یہ صحت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ پھر کسی حدیث میں ان اوصاف کے پائے جانے یا نہ پائے جانے کے اختلاف کی بنا پر صحت وعدم صحت میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے مرسل، (جس میں تابعی، صحابی کا نام لیے بغیر حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے منسوب کرتا ہے)[61] حدیث جن ائمہ کے نزدیک حجت ہے، ان کی نزدیک وہ حدیث صحیح میں شامل ہے اور جن کے نزدیک حجت نہیں ہے، ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ پھر جب محدثین کسی حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کے نزدیک صحت کی شرائط اس میں موجود ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ واقع میں بھی ایسا ہی ہو۔ اسی طریقہ سے جب کسی حدیث کے متعلق محدثین کہتے ہیں کہ وہ صحیح نہیں ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ جھوٹی ہے۔ کیونکہ ایسی بعض حدیثیں بھی درحقیقت سچی ہوتی ہیں۔ بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند ان کے نزدیک صحت کے شرائط کے مطابق نہیں ہے۔ پھر صحیح حدیث کی دو قسمیں ہیں متفق علیہ (جس کی تخریج امام بخاری اور مسلم دونوں نے کی ہو)،[62] اور مختلف فیہ پھر مختلف فیہ کی بھی دو قسمیں ہیں: مشہور، اور غریب (جس کے راویوں کی تعداد کسی دور یا طبقے میں تین سے نو تک ہو اسے مشہور کہتے ہیں۔ حدیث مشہور کی دو قسمیں ہیں، اصطلاحی مشہور اور غیر اصطلاحی مشہور۔ غیر اصطلاحی مشہور وہ حدیث ہے، جو عوام یا خواص کے کسی خاص طبقے میں مشہور ہو، لیکن اس کا اصطلاحی مشہور حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ غیر اصطلاحی مشہور حدیث کی سند ایک بھی ہو سکتی ہے اور یہ بلاسند بھی ہو سکتی ہے[63] اور غریب اس حدیث کو کہتے جس کی سند کے مختلف طبقات میں سے کسی طبقے میں صرف ایک ہی راوی پایا جاتا ہو)[64] پھر کسی حدیث میں صحت کے شرائط کے تمکن کے لحاظ سے صحت کے درجات میں فرق پیدا ہو جاتا ہے یعنی جس کمال کے ساتھ یہ شرائط پائے جائیں گے۔ اسی قدر صحت کا درجہ بڑھ جائے گا۔ اور اس میں جتنی کمی ہو گی اسی اعتبار سے صحت میں فرق پیدا ہو جائے گا۔ اس لحاظ سے صحیح حدیث کی بے شمار قسمیں ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح صحیح اور حسن کی دو قسمیں ہیں، صحیح لذاتہ اور حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ اور حسن لغیرہ۔ صحیح لذاتہ اور حسن لذاتہ کی تعریف وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ صحیح لغیرہ وہ ہے جس میں صحیح لذاتہ کے تمام شرائط تو نہ پائے جاتے ہوں لیکن کثرت طرق نے اس کمی کو پورا کر دیا ہو۔ حسن لغیرہ وہ حدیث ہے جس میں ضعف ہو لیکن تعددِ طرق نے اس کو دور کر دیا ہو۔ اس طرح سے غرابت کی دو قسمیں ہیں۔ سند کی غرابت اور متن کی غرابت، یعنی سند میں کوئی راوی منفرد ہو گیا ہو یا کسی حدیث کے اصل متن میں عام روایت کے خلاف کوئی جزوی کمی یا زیاتی یا تغیر ہو۔

ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھنے کے بعد حسن صحیح اور غریب کے اجتماع میں کوئی اشکال نہیں رہ جاتا، مثلاً ایک ہی حدیث میں ایک محدث کے نزدیک حسن یا صحیح کے جملہ شرائط پائے جاتے ہیں۔ اس لیے اس کے نزدیک وہ حسن یا صحیح ہو گی اور دوسرے کے نزدیک نہیں پائے جاتے۔ اس لئے اس کے نزدیک نہ حسن ہو گی، نہ صحیح ہو گی۔

اسی طریقہ سے ایک ہی حدیث ایک کے نزدیک حسن ہو سکتی ہے۔ اور دوسرے کے نزدیک صحیح، جس کو امام ترمذی نے حسن صحیح سے تعبیر کیا ہے بلکہ ایک شخص کے نزدیک ایک ہی حدیث "حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ" ہو سکتی ہے۔ یا ایک حدیث دو سندوں سے مروی ہے، ایک سند کے اعتبار سے حسن ہے، دوسری سند کے اعتبار سے صحیح، پھر صحیح کے بہت سے مدارج ہیں، ان مدارج کے اعتبار سے صحیح کے ادنیٰ درجہ کا اجتماع حسن کے اعلیٰ درجہ کے ساتھ ہو سکتا ہے اور اس لحاظ سے کہ صحیح کے اعلیٰ شرائط کے تحت میں حسن کے ادنیٰ شرائط خود بخود آ جاتے ہیں، ہر صحیح حسن کہی جا سکتی ہے اور متقدمین کے ہاں صحیح حدیث پر حسن کا اطلاق ملتا ہے اس کے علاوہ حسن اور صحیح کے اجتماع کی محدثین نے اور صورتیں بھی نقل کی ہیں۔

اسی طریقہ سے غریب اور حسن میں بھی کوئی تضاد نہیں ہے۔ ممکن ہے ایک حدیث سند کے اعتبار سے غریب ہو اور متن کے اعتبار سے حسن اور ترمذی کی مراد یہی ہے۔ اسی طریقہ سے صحت اور غرابت کا اجتماع بھی ہو سکتا ہے۔ عبدالحق محدث دہلوی نے مقدمہ مشکوۃ میں لکھا ہے کہ صحت اور غرابت میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ [65]

غرض صحیح حسن اور غریب کے جملہ اقسام و مدارج اور اختلاف کو پیش نظر رکھنے کے بعد ان کے اجتماع میں کوئی اشکال نہیں رہ جاتا۔ اسی سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ترمذی نے حدیثوں کی تحسین و تصحیح میں بھی تساہل سے کام نہیں لیا ہے۔ بلکہ وہ کسی نہ کسی پہلو سے حسن صحیح ہوتی ہیں۔

یوں تو کتاب اللہ کے علاوہ کسی کتاب سے متعلق قطعی صحت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، یہاں تک کہ بخاری و مسلم سے متعلق بھی قطعیت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی حالت میں جامع ترمذی سے متعلق کیسے قطعی طور پر صحت کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مجموعی حیثیت سے سلف سے لے کر خلف تک اس کی صحت مسلمہ چلی آتی ہے۔ جس کا ثبوت صحاح ستہ میں اس کا شمار ہونا ہے۔ ملا کاتب چلپی تو اسے صحیحین کے بعد تیسرے درجے پر رکھتے ہیں چنانچہ وہ اپنی کتاب کشف الظنون میں لکھتے ہیں: ھو ثالث الکتب الستۃ فی الحدیث "حدیث کی چھ کتابوں میں سے یہ تیسرے نمبر پر ہے" اور ائمہ حدیث اس کو احادیث حسن کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ ابن صلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں:

کتاب ابی عیسیٰ اصل فی معرفۃ الحدیث الحسن" یعنی امام ترمذی کی کتاب حدیث حسن کی معرفت کے لیے اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔" [66]

خلاصہ

اس تحقیق سے ظاہر ہوا کہ امام ترمذیؒ تیسری صدی ہجری کے ایک بہت بڑے محدث، فقیہ، اور فن رجال ونقد کے ماہر تھے۔ آپ نہ صرف مسائلِ فقہ میں مہارت رکھتے تھے بلکہ دوسرے مجتہدین کے فقہی آراء اور ان کے دلائل سے بھی بخوبی واقف تھے۔ امام بخاری، مسلم اور امام ابوداؤد جیسے بلند پایہ محدثین آپ کے اساتذہ تھے۔ آپ کی بہت ساری تصانیف میں سے جامع ترمذی اور شمائل ترمذی کو بہت شہرت اور قبولیتِ عام حاصل ہوئی مگر جو مقام ومرتبہ اس کی جامع کو حاصل ہوا وہ اس کی کسی دوسری تصنیف کو حاصل نہ ہوسکا۔ جمہور اہل سنت والجماعت نے آپؒ کی جامع کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔ حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی اور امام شمس الدین ذہبی اسے صحاح ستہ میں بخاری، مسلم، ابوداؤد ونسائی کے بعد پانچویں درجے پر رکھتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ابوداؤد کے بعد چوتھے درجے پر جامع ترمذی کو رکھتے ہیں۔ ملا کاتب چلپی اسے بعض خوبیوں کی بناء پر بخاری ومسلم کے بعد تیسرے نمبر پر رکھتے ہیں۔ جبکہ شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی تو جامع ترمذی کو حدیث کی بہترین کتاب شمار کرتے ہیں اور اسے بعض وجوہات اور حیثیات سے حدیث کی تمام کتابوں سے بہتر قرار دیتے ہیں۔

امام ترمذی نے حدیث کی بہت ساری اصطلاحات استعمال کی ہیں، جن میں سے کچھ ایسی ہیں جو دوسرے مصنفین نے استعمال نہیں کیں۔ امام ترمذی چونکہ فن حدیث میں مہارت رکھتے تھے اس لیے کچھ اصطلاحات اس کی اپنی وضع کردہ ہیں۔ ان کی وضع کردہ اصطلاحات پر جو اعتراضات ہوسکتے تھے اس آرٹیکل میں ان کے تفصیلی جوابات دیے گئے ہیں۔

حوالہ جات

1. الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (المتوفی ۷۴۸ھ) سیر اعلام النبلاء، طبع، البیروت ج۱۰/ص ۶۱۰، المزی، ابی الحجاج جمال الدین یوسف بن عبدالرحمن (المتوفی ۷۴۲ھ)، تہذیبُ الکمال فی اسماء والرِجال، طبع، البیروت، ج۹/ص۲۵۷۔ ابنِ سمعانیؒ، السمعانیؒ، الانساب، طبع البیروت، ج۱/ص ۴۱۵۔ محمد عبدالمعبود، تذکرہ مصنفِین صحاح ستہ، طبع، اردو بازار لاہور، ص ۳۶۵۔ حبیب اللہ مختار، کشف النقاب عمایقول الترمذی وفی الباب، طبع، ۱۴۰۷ھ - ۱۹۸۷م، مطبوع، القادر پرنٹنگ پریس کراچی پاکستان الناشر، مجلس دعوہ وتحقیق اسلامی، محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی ۔۵ پاکستان ص ۳۳/ج ۱۔ نورالدین عتر، الاِمام الترمذی والموازنۃ بین جامعہ وبین الصحیحین، طبع ثانی، ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸: ص، ۔ رفعت فوزی عبدالمطلب، المدخل الیٰ مناھج المحدثین، طبع دارالسلام، بیروت، ص، ۱۷، عبدالرحیم بن الحسین العراقی، طرح التثریب فی شرح التقریب، دارالفکر بیروت، ج۱/ص۱۰۶۔ یاقوت بن عبداللہ الحموی، معجمِ البلدان تحقیق: فرید جندی، طبع بیروت، ج۱/ص۲۷۔ سلیم اللہ خان، محدثینِ عظام، طبع، ۱۴۲۳ھ، مکتبہ فاروقیہ کراچی، ص۱۶۳۔
2. محمد عبدالمعبود، تذکرہ مصنفِین صحاح ستہ، طبع اردو بازار لاہور، ص ۳۶۳۔ الذہبی، ابی عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، طبع، بیروت ج۹/ص ۶۱۰۔ احمد مختار رمزی، سیر اعلام المحدثین، ص ۳۹۲۔ محمد عبدالمعبود، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، طبع مکتبہ الرحمانیہ کراچی، ص ۳۸۲۔ عبدالذیز

،بستان المحدثین، طبع،ایچ ایم سعید کمپنی پاکستان چوک کراچی اگست ۱۹۸۴ء، ص،۲ ۳۔ الذہبی،تذکرۃ الحفاظ،، طبع،بیروت،ج۲/ص ۶۳۔ سلیم اللہ خان، محدثینِ عظام، طبع،۱۴۲۳ھ،مکتبہ فاروقیہ کراچی، ص۱۶۷۔

3. ابن خلکان، أبو العباس شمس الدين أحمد بن محمد بن إبراهيم بن أبي بكر البرمكي الإربلي (المتوفى: 681هـ) وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، دار صادر - بيروت، طبع1، 1971م،278/4، محمد عبدالمعبود،تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، طبع مکتبہ الرحمانیہ کراچی، ص،۳۸۲۔

4. ابن حجر،احمد بن علی بن حجر عسقلانی، تھذیب التھذیب طبع اولیٰ بیروت ۱۴۱۶ھ،ج۷/ص۳۶۴۔ محمد عبدالمعبود،تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، طبع مکتبہ الرحمانیہ کراچی، ص۳۷۳۔

5. ابنِ حجر، تہذیب التھذیب، ج۹/ص۹۸، طبع اولیٰ بیروت ۱۴۱۶ھ۔ حبیب اللہ مختار، کشف النقاب عمایقول الترمذی وفی الباب، طبع،۱۴۰۷ھ - ۱۹۸۷م، مطبوع،القادرپرنٹنگ پریس کراچی پاکستان الناشر، مجلس دعوہ و تحقیقِ اسلامی، علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی۔ ۵پاکستان،ج۱/ص،۸۵۔1

6. المزي يوسف بن عبد الرحمن بن يوسف، القضاعي الكلبي (المتوفى: 742هـ)، تهذيب الكمال في أسماء الرجال،مؤسسة الرسالة - بيروت،طبعة: الأولى، 1400 - 1،1980/1172

7. ابنِ حجر، تہذیب التھذیب، ج۹/ص۹۸، طبع اولیٰ بیروت ۱۴۱۶ھ۔ حبیب اللہ مختار، کشف النقاب عمایقول الترمذی وفی الباب، طبع،۱۴۰۷ھ - ۱۹۸۷م، مطبوع،القادرپرنٹنگ پریس کراچی پاکستان الناشر، مجلس دعوہ و تحقیقِ اسلامی، علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی۔ ۵ پاکستان،ج۱/ص،۸۵۔ابن حجر،احمد بن علی بن حجر عسقلانی، تھذیب التھذیب طبع اولیٰ بیروت ۱۴۱۶ھ،ج۷/ص۳۵۶۔ سلیم اللہ خان، محدثینِ عظام، طبع،۱۴۲۳، مکتبہ فاروقیہ کراچی، ص۱۶۹۔ محمد عبدالمعبود،تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، طبع مکتبہ الرحمانیہ کراچی، ص ۳۷۴۔

8. ابنِ حجر، تہذیب التھذیب، ج۹/ص۳۸۹، طبع اولیٰ بیروت ۱۴۱۶ھ،الذہبی،تذکرۃ الحفاظ،، طبع،بیروت،ج۲/ص۲۰۸، عبدالذیز،بستان المحدثین، طبع،ایچ ایم سعید کمپنی پاکستان چوک کراچی اگست ۱۹۸۴ء، ص،۲ ۳،ضیاءالدین اصلاحی،تذکرۃ المحدثین،ج۱/ص ۲۳۴، طبع،مکتبہ رحمانیہ لٹل سٹارپرنٹرز،لاہور۔

9. کشمیری محمد انور شاہ،العرف الشذی شرح سنن الترمذی،بیروت،دارالتراث العربی،ط1۔1425ھ،2004ء،1/ 1 1

10. المصنفات فی الحدیث ص،۱۹۹، الاعلام ج۱/ص ۳۲۲، البدایہ والنھایہ ج۱۱/ص۶۷،۶۶۔ محمد عبدالمعبود،تذرہ مصنفین صحاح ستہ، طبع مکتبہ الرحمانیہ کراچی، ص،۳۸۱،۳۸۲،۲۳۶۔ سلیم اللہ خان، محدثینِ عظام، ص، ۱۷۴،۱۷۳۔ضیاءالدین اصلاحی،تذکرۃ المحدثین،، طبع،لٹل اسٹارپرنٹر لاھور مکتبہ رحمانیہ، ص،۲۳۶۔

11. ناصر بن محمد بن حامد الغريبي،دراسہ و تحقیق علیقوت المغتذي على جامع الترمذي، تاليف عبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911هـ) رسالة الدكتوراة - جامعة أم القرى، مكة المكرمة - كلية الدعوة وأصول الدين، قسم الكتاب والسنة عام النشر: 1424ه، ص12

12. خلیل الرحمن چشتی، حدیث کی اہمیت اور ضرورت، طبع، منزل پرنٹر اسلام آباد، وادارہ معاف اسلامی کراچی، ص۱۸۷۔1

13. دمشقی ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر،البدایۃ والنھایہ، طبع اولیٰ، قاہرۃ،۱۴۱۷ھ ص،ج۱۱/ص۶۶،۶۷، محمد عبدالمعبود،تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، طبع مکتبہ الرحمانیہ کراچی، ص۳۸۱،۳۸۲۔ سلیم اللہ خان، محدثینِ عظام، طبع،ص، ۱۷۴،۱۷۳۔

14. مفتی نظام الدین شامزی، ارشادُ الشامزی علی جامع ترمذی، ص، ۳۹، محمد عبدالمعبود، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، طبع مکتبہ الرحمانیہ کراچی، ص۴۲۹، ارشادُ الشامزی علی جامع ترمذی، ص، ۴۴،ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، کشف النقاب عمایقول الترمذی وفی الباب،ج۱۷۱/۱

15. ابن كثير أبو الفداء إسماعيل القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: 774هـ)،البداية والنهاية،دار الفكر،1407هـ - 1986م،111/6

16. حبیب اللہ مختار، کشف النقاب عمایقول الترمذی وفی الباب،ج۱/ص۱۶۶۔۱۷۰۔

17. خیر الدین الزرکلی، الاعلام ، البیروت ، طبع ثانیہ ،۱۹۸۹ء۔ دمشقی ، اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی، البدایۃ والنھایہ، طبع، اولیٰ ، قاہرۃ، عام ۱۴۱۷ھ ص، ج۱۱/ص ۶۶، ۶۷۔ محمد عبدالمعبود، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، طبع مکتبہ الرحمانیہ کراچی، ص، ۳۸۱، ۳۸۲، سلیم اللہ خان، محدثینِ عظام ، طبع، ۱۴۲۳، مکتبہ فاروقیہ کراچی، ص، ۱۷۴، ۱۷۳۔

18. نورالدین عتر، الامام الترمذی والموازنۃ بین جامعہ وبین الصحیحین، طبع ۱۹۷۰ م ۱۳۹۰ھ، جامعہ دمشق۔ ج۱/ص ۲۲۔

19. ضیاء الدین اصلاحی، تذکرۃ المحدثین، طبع لٹل اسٹار پرنٹر لاہور مکتبہ رحمانیہ، ۱/ص، ۲۳۵۔

20. ناصر بن محمد بن حامد الغریبی، دراسہ و تحقیق علی قوت المغتذي علی جامع الترمذي 112/1

21. ضیاء الدین اصلاحی، تذکرۃ المحدثین، 1237/1

22. الحافظ أبو الفضل ابن طاھر المقدسي، شروط الأئمۃ الستۃ ص110

23. ناصر بن محمد بن حامد الغریبی، دراسہ و تحقیق علی قوت المغتذي علی جامع الترمذي ص 1۔3، حافظ أبي الفضل محمد بن طاھر المقدسي، شروط الأئمۃ ص110

24. ناصر بن محمد بن حامد الغریبی، دراسہ و تحقیق علی قوت المغتذي علی جامع الترمذي 1/5-17

25. ایضاً، ج ۱/ص، ۲۳۷۔

26. ایضاً، ج ۱/ص ۲۳۹۔

27. ایضاً۔

28. وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مترجم اردو، طبع، ۲۰۱۲ء، دارالاشاعت اردو بازار کراچی، ج ۱/ص ۶۷۔

29. الکوکب الدری، ج ۱/ص ۳۱، مقدمہ ابن الصلاح، ص ۱۹، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۱۴۔

30. الکوب الدری، ج ۱/ص ۳۱، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۱۴۔

31. تدریب الراوی للسیوطی، ج ۱/ص ۱۶۳، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۱۵۔

32. ابن الصلاح، ج ۱/ص ۷۷ ۴، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۱۵۔

33. ابن الصلاح، ج ۱/ص ۷۷ ۴، اختصار علوم الحدیث مع شرح الباعث الحثیث ص ۳۶، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۱۵۔

34. ابن الصلاح، ج ۱/ص ۷۸ ۴، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۱۶۔

35. تحفۃ الاحوذی ص ۲۰۰۔ تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۱۶۔

36. تحفۃ الاحوذی ص ۲۰۰، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۱۶۔

37. تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۱۶۔

38. تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۱۶۔

39. الکوب الدری، ج ۱/ص ۳۱، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۱۷۔۔

40. خلیل الرحمٰن چشتی، حدیث کی اہمت اور ضرورت، طبع، الفوزا کیڈمی، اسلام آباد، ص ۲۰۲۔ تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۱۶۔

41. تدریب الراوی للسیوطی، ج ۱/ص ۳۴۹، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۱۸۔

42. معارف السنن ج ۱/ص ۷۵، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۱۸۔

43. مقدمہ ابن الصلاح، ص ۴۴، نخبۃ الفکر مع شرح نزھۃ النظر ص ۸۱، تدریب الراوی ج ۱/ص ۲۶۲، فتح الملہم ج ۱/ص ۱۵۹، معارف السنن ج ۱/ص ۷۹، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۱۸۔
44. ابن حجر عسقلانی، نخبۃ الفکر مع شرح نزھۃ النظر ص ۴۹۔ تدریب الراوی للسیوطی، ج ۱/ص ۲۳۲، مقدمہ ابن الصلاح، ص ۳۶، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص، ۴۱۹۔
45. تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص، ۴۱۹۔
46. جامع ترمذی ابواب الصلواۃ، باب ماجاء فی الاضطجاع بعد رکعتی الفجر ج ۱/ص ۹۶۔ تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص 419
47. ابن حجر، تقریب التھذیب، ص ۱۳۶۷
48. ترمذی، العلل الصغریٰ ج ۱/ص ۲۳۸ بحوالہ تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۲۰۔
49. ابن حجر، نخبۃ الفکر مع شرح نزھۃ النظر ص ۴۹۔ تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۲۰
50. کتاب العلل الصغریٰ المطبوع مع جامع الترمذی، ج ۲ ص، ۲۳۸، معارف السنن ج ۱/ص ۸۶، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۲۰
51. محمد یوسف بنوری، معارف السنن ج ۱/ص ۸۶، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۲۱۔
52. تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۷۔ تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۲۱۔
53. ایضاً۔ ص ۱۹۶۔
54. الکوب الدری، ج ۱/ص ۸۵، معارف السنن ج ۱/ص ۲۱۴، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۲۲۔
55. الکوب الدری، ج ۱/ص ۱۲۹، معارف السنن ج ۱/ص ۳۳۴، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۲۲۔
56. تحفۃ الاحوذی ص، ۲۰۸۔ تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۲۲۔
57. مقدمہ فیض الباری، ج ۱/ص ۵۸، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، ص ۴۲۷۔
58. تدریب الراوی ج ۱/ص ۲۶۲، فتح الملہم ج ۱/ص ۱۵۹، اعلاء السنن ج ۱/ص ۵۶، محمد عبدالمعبود، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، طبع مکتبہ الرحمانیہ کراچی، ص ۴۱۷۔
59. ترمذی، کتاب علل ص ۶۵۴، مقدمہ ابن الصلاح، ص ۶، ضیاء الدین اصلاحی، تذکرۃ المحدثین، طبع، لٹل اسٹار پرنٹر لاھور مکتبہ رحمانیہ، ج ۱/ص، ۲۴۰۔
60. مقدمہ ابن الصلاح، ص ۶، ضیاء الدین اصلاحی، تذکرۃ المحدثین، طبع، لٹل اسٹار پرنٹر لاھور مکتبہ رحمانیہ، ج ۱/ص، ۱۴۵۔
61. ایضا، ص ۶
62. ایضاً، ص ۱۸۳۔
63. ایضاً ص ۱۰۹۔
64. ایضا، ص ۱۱۱۔
65. تحفۃ الاحوذی بحوالہ مقدمہ مشکوۃ ص 200 1
66. مقدمہ ابن الصلاح، ص ۱۳، ضیاء الدین اصلاحی، تذکرۃ المحدثین، ج ۱/ص ۲۴۲۔